سچ کا سفر

حسن جاوید میر
h.javedmir@gmail.com

رب کا عالیشان دربار سجا ہوا تھا۔ کائنات کا وہ عظیم اور باوقار منظر، جس کی ہیبت اور جلال کا اندازہ لگانا بھی عقلِ انسانی کے بس سے باہر ہے، اپنے عروج پر تھا۔ اس پاکیزہ اور نورانی محفل میں ہر طرف فرشتوں کا ہجوم تھا، جو اپنے رب کی تسبیح اور عبادت میں مصروف تھے۔ اسی دربارِ عظمت میں، زمین سے اٹھائی گئی مٹی اور گارے سے تیار کیا گیا ایک پیکرِ خاکی — حضرت آدم علیہ السلام کا جسمِ مبارک — بے جان پڑا تھا۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا جو تاریخِ کائنات کا رخ بدلنے والا تھا۔ اتنے میں، عبادت اور تقویٰ کے بلند مقام پر فائز وہ ہستی وہاں پہنچی، جسے بعد میں اس کی سرکشی کی وجہ سے مردود اور شیطان قرار دیا گیا۔ اس وقت تک اس کی عبادت اور بندگی کا چرچا عالمِ بالا میں تھا، اور وہ فرشتوں کی صفوں میں انتہائی معزز مقام رکھتا تھا۔ جب وہ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں اور اس مقرب ہستی کو حکم دیا کہ اس خاکی پیکر (آدم) کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ یہ سجدہ پرستش کا نہیں، بلکہ تعظیم اور اس نئی تخلیق کی تکریم کا تھا، جو اللہ کے حکم پر عمل کی ایک آزمائش تھی۔

سب فرشتوں نے بغیر کسی تاخیر یا پس وپیش کے حکمِ خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا اور سجدہ کیا۔ لیکن شیطان نے اپنے اندر چھپے تکبر اور غرور کی وجہ سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہر ذرہ ازل سے موجود تھا، اور وہ سب کچھ جانتا تھا جو اس کے بندوں کے سینوں میں چھپا ہے۔ اللہ پاک اگر چاہتے تو اسی لمحے اپنی قہر و جلال کی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھا کر اس نافرمان کو دربارِ عالیہ سے دھتکار کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں پھینک سکتے تھے، یا نیست و نابود کر سکتے تھے۔ لیکن حکمِ الٰہی کی حکمت اس سے کہیں بلند تر تھی۔ میرے رب نے اپنے جلال کے باوجود انتہائی سکون، تحمل اور آرام کے ساتھ اس سے پوچھا: "اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب میں نے تجھے حکم دیا؟" اس سوال کے جواب میں شیطان کے اندر کا غرور کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے اپنی اصل پر فخر کرتے ہوئے تکبرانہ لہجے میں کہا: "میں اس سے بہتر ہوں! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے، اور آگ مٹی سے افضل و برتر ہے۔

اس سے آگے شیطان کے ساتھ کیا انجام ہوا، اسے کس طرح دربارِ الٰہی سے راندہ درگاہ کیا گیا اور وہ قیامت تک کے لیے مردود ٹھہرا، یہ تاریخِ ازل کا وہ باب ہے جو آپ سب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ لیکن اس پرانے واقعے کو آج دہرانے اور اس کے اوراق کو پلٹنے کا اصل مقصد یہ نہیں تھا کہ محض ایک تاریخی قصہ سنایا جائے، بلکہ اس کے اندر پوشیدہ اس فلسفے کو اجاگر کرنا تھا جو ہماری آج کی زوال پذیر زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ ذرا غور کیجیے! کائنات کا خالق اور مطلق مالک وہ ہے جس کے ایک اشارے پر دنیا بنتی اور مٹتی ہے، جو ہر ذرے پر مکمل اور قادرِ مطلق قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو اس پہلے ہی اختلاف پر لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر شیطان کو نیست و نابود کر سکتے تھے اس کی زبان اور سوچ کو ہمیشہ کے لیے بند کر سکتے تھے۔ کوئی اسے روکنے والا نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود، رب کائنات نے اپنی تمام تر قدرت اور اختیار کے ساتھ، شیطان کو اختلافِ رائے کا پورا حق دیا۔ اسے بولنے کی، اپنی دلیل پیش کرنے کی اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ اللہ نے اسے زبردستی خاموش نہیں کرایا بلکہ اس کی بات کو سنا، برداشت کیا اور اس کے موقف کو سامنے آنے دیا۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ہمارے معاشرے، ہماری سوچ اور ہمارے رویوں کا سب سے بڑا تاریک پہلو بن چکا ہے۔ ہمارے ہاں آج سب سے بڑا دانا و ناسور بن جانے والا مسئلہ یہی ہے کہ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں، اور جس زاویے سے ہم دنیا کو دیکھ رہے ہیں، حرفِ آخر وہی ٹھیک ہے! ہم اس مکالمے، برداشت اور اختلافِ رائے کے اس حسن کو یکسر بھول چکے ہیں جو خود خالقِ کائنات نے اپنے دربار میں سکھایا تھا۔ ہم دوسروں کی بات سننے، سمجھنے اور ان کے نقطۂ نظر کو تسلیم کیے بغیر فوراً اپنے فتوے صادر کرنے لگتے ہیں۔ ہم یہ برداشت ہی نہیں کر پاتے کہ کوئی ہمارے علاوہ بھی کوئی اور رائے رکھ سکتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس طرزِ عمل سے سبق سیکھیں، تو زندگی کے ہر موڑ پر، چاہے وہ گھر ہو، دفتر ہو یا معاشرہ، برداشت، رواداری اور فکری وسعت کا ایک نیا اور خوبصورت دور شروع ہو سکتا ہے۔

پچھلی چند دہائیوں سے ہمارے معاشرے اور اجتماعی رویوں میں جو عدم برداشت، تلخی اور انتہا پسندی کا ناسور تیزی سے پھیلا ہے، اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس رجحان کے فروغ میں سب سے بڑا اور فیصلہ کن کردار سابق وزیرِ اعظم عمران خان اور ان کی سیاست کا رہا ہے۔ سیاست میں اخلاق، شائستگی اور سیاسی مخالفین کے ساتھ روا یتی احترام کا جو دائرہ کار صدیوں سے ایک تہذیب یافتہ معاشرے کا خاصہ بنا کرتا تھا، بدقسمتی سے اسے پامال کرنے اور گالی گلوچ، ذاتی حملوں اور عدم برداشت کے کلچر کو مین اسٹریم لانے کا سہرا انہی صاحب کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے سیاسی اختلاف کو نظریاتی بحث سے نکال کر ذاتی دشمنی، حقارت اور نفرت کی اس سطح پر لا کھڑا کیا جہاں مکالمہ ختم ہو گیا اور طوفان خیز نے اس کی جگہ لے لی۔ آپ سوشل میڈیا کے کسی بھی پلیٹ فارم کا رخ کر کے دیکھ لیجیے۔ فیس بک ہو، ایکس (سابقہ ٹویٹر) ہو یا انسٹاگرام، ہر جگہ عمران خان کے حمایتیوں کا رویہ ایک ہی سانچے میں ڈھلا نظر آئے گا۔ گزشتہ چند سالوں میں انہوں نے فکری تربیت کے نام پر ایک ایسے طبقے کو جنم دیا ہے جسے بجا طور پر "پڑھے لکھے جاہلوں" کی جماعت کہا جا سکتا ہے۔ اس میں نوجوان نسل بھی شامل ہے اور بظاہر تعلیم یافتہ اشرافیہ بھی، جو بڑی بڑی ڈگریوں کے باوجود اخلاقی اقدار، برداشت اور تہذیب سے تہی دست دکھائی دیتی ہے۔ اختلافِ رائے کا احترام جو کہ کسی بھی جمہوری اور مہذب معاشرے کی بنیادی شرط ہے، اس گروہ کے نزدیک ایک گناہِ کبیرہ بن چکا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا کہ اختلافِ رائے ہر انسان کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے اور خود رب کائنات نے شیطان کو بھی یہ حق دیا تھا، لیکن المیہ یہ ہے کہ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد اس حق کے قائل صرف اپنے لیے ہیں۔ آپ ان کے نظریات سے ذرا سا اختلاف کر کے دیکھ لیجیے، ان کے قائد کی کسی پالیسی پر معترض ہو کر دیکھ لیجیے، یا محض حقائق کی بنیاد پر کوئی دوسری رائے سامنے لے آئیں؛ آپ کو فوراً اس کا عملی مظاہرہ مل جائے گا۔ ان کا لہجہ لمحہ بھر میں بدل جاتا ہے، چہرے کے تاثرات سے لے کر زبان کے الفاظ تک سب کچھ غلاظت اور نفرت کی زد میں آ جاتا ہے۔ وہ دلیل کے بجائے گالی گلوچ، پراپرٹی کے حملوں اور سوشل میڈیا سے لے کر گلی محلوں تک ہر جگہ بدترین فسطائیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ رویہ صرف ایک سیاسی جماعت یا اس کے حامیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے ہمارے پورے سماجی تانے بانے کے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ جب معاشرے کا سب سے بڑا رہنما ہی عدم برداشت اور توہین آمیز رویے کو اپنا ہتھیار بنا لے، تو پھر پیروکاروں سے اخلاقیات کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس زہر آلود ماحول سے نکل کر دوبارہ اس پر برداشت، رواداری اور اخلاقی توازن کی طرف لوٹیں جو ایک صحت مند معاشرے کی اصل پہچان ہوتی ہے۔

عمران خان کوئی خدا نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اکیلے تمام مسئلوں کا حل ہیں۔ "میں سب سے بہتر ہوں" والا جملہ تو سب سے پہلے شیطان نے کہا تھا جب اس نے اپنی اصل پر غرور کیا تھا۔ اختلافِ رائے ہر انسان کا بنیادی حق ہے، لیکن اس کا جواب گالی یا گلا گھونٹنے سے نہیں بلکہ بہتر دلیل اور اپنی رائے سے دیا جانا چاہیے۔ جب تک ہم دوسروں کے نقطۂ نظر کو سننے، سمجھنے اور برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں کریں گے، ہمارے معاشرے میں بگاڑ اور تلخی ختم نہیں ہو سکتی۔ فکری پختگی اور رواداری ہی ایک مہذب معاشرے کی اصل پہچان ہوتی ہے۔

آخر میں، میں اپنے حلقۂ احباب اور خصوصاً عمران خان کے فکری حامیوں سے یہ مخلصانہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ سیاست، نظریات اور خیالات کی اس جنگ میں دلیل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ یہ ماننا ضروری ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یا جو زاویہ آپ کار نما آپ کو دکھا رہا ہے، ضروری نہیں کہ حرفِ آخر ہو۔ اختلافِ رائے ہر انسان کا بنیادی اور جمہوری حق ہے، لیکن اس کا جواب گالی گلوچ یا فسطائیت سے دینا کسی بھی مہذب معاشرے کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اس زہر آلود کلچر سے باہر نکل کر برداشت، رواداری اور باہمی احترام کی اس فضا کو بحال کرنا ہوگا جہاں بات دلیل سے کی جائے، سنی جائے اور سمجھی جائے۔ جب تک ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ غلطی کی گنجائش ہر انسان میں موجود ہے اور دوسرا شخص بھی درست ہو سکتا ہے، تب تک نہ ہمارے معاشرتی بگاڑ میں کمی آئے گی اور نہ ہی ہم ایک صحت مند اور باشعور قوم کی تشکیل کر سکیں گے۔

حسن جاوید میر